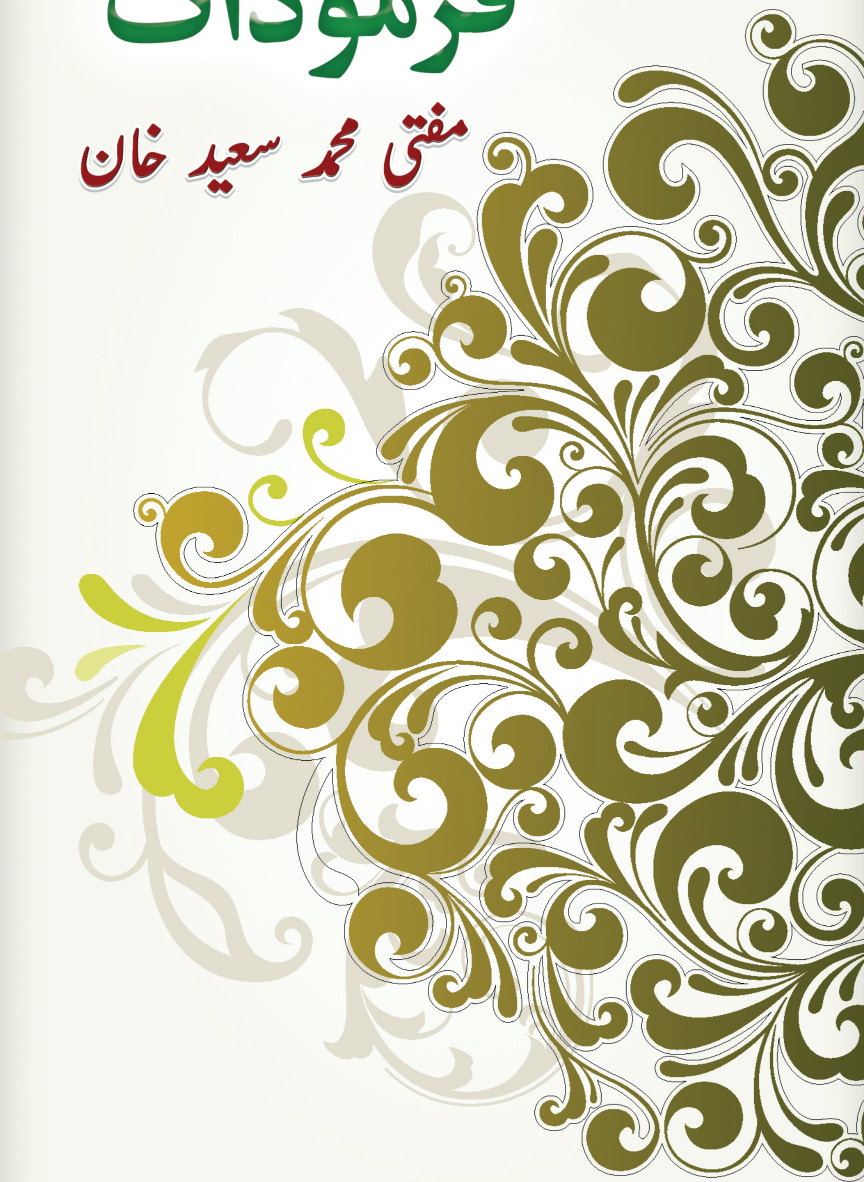
فرمودات

مفتی محمد سعید خان



تفسیر

فرمایا علامہ زمخشری کی تفسیر کشاف کو ایک زمانے میں بہت ذوق وشوق سے پڑھا اور بہت بادل نخواستہ مکمل کیا۔ پہلی مرتبہ اس تفسیر سے شدید بیزاری تو سورۂ توبہ کا مطالعہ کرتے ہوئے پیش آئی۔ اس سورۂ مبارکہ کی جب آیت نمبر: ۴۳ کی تفسیر پڑھی تو جی اچاٹ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے:

عفا الله عنك — اللہ تعالیٰ آپ سے درگذر فرمائے۔

اور اصل واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ تبوک کا دور بہت کٹھن دور تھا۔ گرمیاں اپنے عروج پر تھیں اور مدینہ منورہ میں کھجوروں کے پیڑ لدے کھڑے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قربانی دی اور ان تمام اموال کو چھوڑ کر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکل پڑے۔ منافقین جہاد سے جی چراتے تھے۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور جھوٹے بہانے گھڑ کر درخواست پیش کرتے کہ انھیں مدینہ منورہ ہی میں رہنے کی اجازت دے دی جائے۔

حضرت رسالت پناہ ﷺ اجازت مرحمت فرما دیتے، تو اس اجازت دینے پر اللہ تعالیٰ نے محبت بھرا عتاب فرمایا کہ اللہ تعالیٰ درگذر فرمائے (لیکن) آپ نے انھیں اجازت دی ہی کیوں۔ اللہ تعالیٰ نے عفو کو شکایت پر مقدم فرمایا۔زیادہ سے زیادہ بھی اس بات کو بڑھایا جائے تو کیا ہے؟ یہی کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے منافقین کو جو مدینہ منورہ میں رہ جانے کی اجازت دی، وہ خطاءاجتہادی تھی۔اور اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی حضرت رسالت پناہ ﷺ کو ان کی خطائے اجتہادی پر قائم نہیں رہنے دیا کیونکہ اگر انھیں اپنی خطائے اجتہادی پر قائم رہنے دیا جاتا تو ان کے اپنے حق میں تو اگرچہ یہ خطاء، خطائے اجتہادی ہوتی لیکن امت کے لیے تو سنت بن جاتی۔ اس لیے اس مقام پر بھی آگاہ فرمادیا اور نہایت لطیف بات یہ بھی ہوئی کہ عفو کو شکایت پر مقدم فرمایا۔

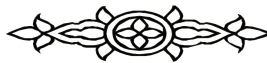
لیکن زمخشری نے یہ ظلم کیا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کو گنہگار قرار دیتے ہوئے یہ الفاظ لکھے:

اخطأت و بئس ما قلت — آپ نے خطا کی اور جو اجازت دینے کے الفاظ کہے تو بہت برے الفاظ کہے۔

استغفراللّٰہ العظیم. یہ عبارت پڑھ کر بہت دھچکا لگا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کو گنہگار قرار دینا، کتنا بڑا ظلم ہے۔
پھر بھی اسے پڑھنا پڑا، دل پر پتھر رکھ کر اسے پڑھا اور جب سورۂ تکویر کی آیت: ۱۹ پر پہنچے تو از حد حیا دامن گیر ہوئی کہ زمخشری نے اس مقام پر حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، حضرت رسالت پناہ ﷺ سے افضل قرار دیا۔ طبیعت بہت مکدر ہوئی اور بقیہ تفسیر بہت عجلت میں صفحات پلٹا کر مکمل کی۔

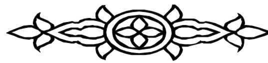
تصوّف

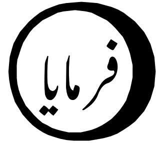
فرمایا مشائخ مجددیہ طاب اللہ ثراھم کے احوال و مقامات پرخواجہ کمال الدین محمد احسان نے ایک کتاب ”روضۃ القیومیۃ“ تحریر فرمائی ہے۔ اصل فارسی نسخے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے مزاج میں شدید مبالغہ تھا۔ اپنی اسی طبیعت کی بنا پر انھوں نے حضرت خواجہ آدم بنوری نور اللہ مرقدہٗ پر یہ الزام لگایا کہ وہ اپنے شیخ حضرت مجدد الف ثانی سرھندی قدس اللہ سرہ الاقدس کی تعلیمات سے منحرف ہو گئے تھے۔ حالانکہ امر واقع ایسا نہیں ہے۔ ان کی اس کتاب ہی کی وجہ سے سرھندی ___ جن کی قیادت حضرت خواجہ معصوم صاحب رحمہ اللہ کر رہے تھے ___ اور بنوری ___ جنکی قیادت حضرت خواجہ آدم بنوری نور اللہ مرقدہٗ کر رہے تھے ___ دو فریق بنے اور آپس میں اختلافات پیدا ہوئے۔



فرمایا ”مکاشفات عینیہ“ کے نام سے جو رسالہ چھپا ہے، یہ

دراصل حضرت مجدد الف ثانی سرھندی رحمہ اللہ ہی کی تصنیف ہے۔ البتہ اسکے مرتب حضرت خواجہ معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی سے اس کی نسبت غلط ہے۔ انہوں نے یہ رسالہ نہ لکھا ہے اور نہ ہی اسے مرتب فرمایا ہے۔ اب جو چھپا ہے تو اسے خواجہ محمد ہاشم کشمی سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ غلط ہے اور نقشبندی حضرات رحمۃ اللہ علیہم کو چاہیے کہ اس غلطی کی تصیح کریں۔





مولانا محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ کی دو کتابیں دیکھنے اور پڑھنے کی حسرت ہے۔ ① زبدۃ المقامات ② نسمات القدس۔ بتیس (32) برس سے تلاش جاری ہے۔ کتابیں تو کیا ملیں گی، ان کا نام تک محو ہوتا جا رہا ہے۔①

---

① للہ الحمد والمنۃ کہ یہ دونوں کتابیں نظر سے گذر گئیں۔ ''زبدۃ المقامات'' کے قلمی نسخے کا عکس تو ترکی میں چھپ گیا اور محترم جناب پروفیسر اقبال مجددی صاحب دام ظلہ نے ھدیتاً مرحمت فرمایا اور ''نسمات القدس'' کا نسخہ ادارہ تحقیقات فارسی اسلام آباد میں موجود ہے۔ وہاں سے اسکی CD اور پھر فوٹو کاپی کروا کر اپنے ہاں کے ذخیرہ کتب میں داخل کر دی گئی۔

شخصیات

فرمایا آپ کے اس امریکہ میں ہردیال بھی آئے تھے۔

ہردیال کا نام آپ نے کیونکر سنا ہوگا؟ ہندوستان کی تحریک آزادی کا روشن ستارہ، دہلی کا خوش باش اور متمول نوجوان، پنجاب یونیورسٹی لاہور سے فراغت کے بعد 1905ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور شعور مزید بیدار ہوا تو انہیں یقین ہوگیا کہ ہندوستان کے تمام مسائل کا اصل حل ''آزادی'' ہے۔ تعلیم کو چھوڑا اور لاہور واپس آکر آزادی کے متوالوں کو اپنے گرد جمع کیا۔ جے این چٹرجی، دینا ناتھ ہردیال،، مولانا برکت اللہ بھوپالی سب اس ہردیال کے مداح تھے۔ پارٹی کا اصل نصب العین انگریزوں کو مارنا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے کارکنوں کو بم بنانے اور بم مارنے کی تربیت دی۔ 1912ء میں وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ پر دہلی میں قاتلانہ حملہ ہوا۔ بم پھینکا گیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ یہ کارروائی

ہر دیال ہی کے ایما پر کی گئی تھی۔

اس زمانے میں چوہدری رحمت علی صاحب مرحوم (جنہوں نے پاکستان کا نام تجویز کیا تھا) نے ہندوستان کی تحریک آزادی کو تیز تر کرنے کے لیے تحریک کا خفیہ مرکز واشنگٹن میں قائم کیا تھا اور ایک ہوٹل خرید لیا تھا۔ ہوٹل کیا تھا یہ سب انقلابی وہاں جمع ہو جایا کرتے تھے۔ ہر دیال بھی وہاں جایا کرتے تھے۔ پھر ایک اور انقلابی ''رام چندر'' بھی وہاں پہنچ گئے۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی مرحوم اس زمانے میں فرانس میں تھے۔ چوہدری رحمت علی، رام چندر اور ہر دیال نے بہت اصرار کر کے مولانا برکت اللہ مرحوم کو اس ہوٹل میں بلایا اور یوں یہ انقلابی اکھٹے ہو گئے۔ برکلے یونیورسٹی بھی اس خفیہ تحریک کا ایک مرکز تھی۔ چنانچہ جب دہلی میں لارڈ ہارڈنگ پر بم کا حملہ ہوا تو ہر دیال اس وقت برکلے ہی میں تھے۔ ہر دیال کو 25 دسمبر کو یہ خبر ملی تو وہ برکلے میں خوشی سے ناچنے لگے۔ ہندوستانی خون کہاں سے نچلا بیٹھنے والا تھا۔ تمام نوجوان ہندو، مسلمان ان کے

ساتھ ناچنے لگے اور آزادی، آزادی کے نعرے گونجنے لگے۔
ہردیال کا جوش ٹھنڈا نہیں پڑا اور اس نے اس بمبار کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک پمفلٹ (Yugautar Circle) لکھا۔ وہ دور ہی ایسا تھا خود ہمارے شہر راولپنڈی میں D.A.V کالج روڈ پر چند طلباء نے مل کر ایک بم ساز فیکٹری قائم کرنے کا منصوبہ بھی بنایا تھا لیکن بعض عاقبت اندیش بزرگوں نے نصیحت کی کہ یہ کام نہ کرو، اور وہ رک گئے۔

ہر دور میں حصول خیر کے طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ اپنے گردوپیش کی دنیا دیکھ کر ہی تعین کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے دور میں سب سے مؤثر طریقہ غیر مسلموں میں دعوت کا کام کرنا ہے۔
اللہ تعالیٰ وہ دن دکھائے جب انصاف پسند، پڑھی لکھی اور مجبوریوں سے ماورا قوم کو خود ان کی زبان اور ان کی فہم کی سطح کے مطابق ہم اسلام کو پیش کر سکیں تو یہ دعوت ان کے لیے ضرور بالضرور مؤثر ثابت ہوگی اور اگر وہ اسلام کو سمجھ لیں تو دنیا بہت سے مصائب سے نجات پا جائے گی۔ اس دور میں طاقت کا

استعمال مسائل میں اضافہ کررہاہے،حل نہیں کررہا۔



فرمایا آپ کے اس امریکہ میں موہن سنگھ بھی تو آئے تھے، آپ نے کیوں ان کا نام سنا ہوگا اور پڑھنے کی زحمت گوارا کی ہو، اس کا تو سوال ہی نہیں۔ وہ یہاں لکڑی کے کارخانے میں ایک ملازم تھے لیکن آزادی کی دھن ایسی تھی کہ کیلیفورنیا میں ایک جلسہ رکھ لیا۔ ہردیال نے صدارت کی اور مولانا برکت اللہ بھوپالی تو شمع محفل تھے۔انہوں نے ایک پارٹی بنانے کی ضرورت پر زور دیا اور اسی سال جب سیکرومنٹو میں مزدوروں کے سنٹر میں جلسہ ہوا تو I.A.P.C. کے نام سے پارٹی تشکیل پائی۔اس مخفف کی اصل ہے: Indian Association of Pacific Coast پارٹی تو بن گئی، اب کام کے لیے رقم درکار تھی۔ چنانچہ اسکی اپیل کی گئی تو اس وقت 1913ء میں ہندوستان کی آزادی کے لیے اسی جلسے میں لوگوں نے دس ہزار ڈالر سے زیادہ رقم جمع کرادی۔

موہن سنگھ، ہر من سنگھ، کرتا ر سنگھ، پنڈ ت جگت ر ا م، ہرنا دی، پا نڈ و رنگ کھا ن کھو جی ا و رمو لا نا بر کت ا للہ بھو پا لی یہ سب اس پا ر ٹی کے لیڈ ر تھے۔ ووڈ سٹریٹ نمبر 5 سا ن فر انسسکو (Wood Street No.5, San Fransisco) کےایک مکان میں دفتر بنااورارد و، گورمکھی اور ہندی تینوں زبانوں میں پارٹی کا ترجمان اخبار''غدر'' نکلنا شر وع ہوا۔''غدر'' کےاڈ یٹر ہر د یال اورمولا نا بر کت اللہ بھو پالی تھے۔''غدر'' دیکھتے ہی دیکھتے اپنے دورکا سب سے مقبول اخبار بن گیا۔ کتب، رسائل اوراخبارات تو گن کر فروخت ہوتے ہیں مگر''غدر'' ایسا نکلا کہ ٹنوں کےحساب سےتول کر مختلف مما لک میں بھیجا جا تا تھا۔ وی۔ ڈی۔ساورکر کی کتاب (The Indian War of Independence) کا اردوترجمہ''غدر'' میں بالاقساط چھپنے لگا اوراخبار کی مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ آپ کےاس امریکہ کے علاوہ،آسٹریلیااور یورپ میں اسکی مانگ پوری کرنا دشوار تھی۔

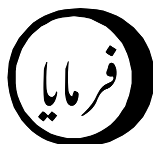
اس دور میں جرمنی بھی برطانوی امپیرلزم کے خلاف تھا۔
مولانا برکت اللہ بھوپالی نے اس سے بھی فائدہ اٹھایا اور وہ
ہندوستانی جو جرمنی میں رہتے تھے، انہوں نے تو مالی طور پر اس
پارٹی سے بہت تعاون کیا۔ امریکہ میں جرمنی سفیر نے بھی مالی
تعاون کیا۔اخبار نے ہزاروں نوجوانوں میں آزادی کی تڑپ
پیدا کی اور یہاں تک کہ لوگوں نے اپنی ملازمتیں چھوڑ کر
ہندوستان کا رخ کیا آزادی حاصل کریں۔ جاپان اور چین
سے لوگ واپس آنے لگے اور حکومت ہند نے ان تمام آنے
والوں کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ کرتار سنگھ، سیوا سنگھ، بیر سنگھ،
سریال سنگھ اور کیا کیا خوبصورت پنجابی سکھ نوجوان اور کس
قدو کاٹھ کے گبرو تھے کہ اپنے وطن کی محبت میں اپنے گھر جانے
کی بجائے، جیلوں میں جانے سے زیادہ خوش اور فخر محسوس
کرتے تھے۔ ان میں سے سردار کرتار سنگھ جسکی عمر صرف 18
تھی، انگریزوں نے پھانسی چڑھا دیا تھا اور بقیہ لوگوں کو بھی شدید
سزائیں دیں۔ جرم کیا تھا؟ صرف یہ کہ ہندوستان کو آزاد کرانا

چاہتے تھے۔اس سلسلے میں اگر آپ ہریش کے پوری کی کتاب
GADAR MOVEMENT, IDEOLOGY, ORGANIZATION AND STRATEGY.
پڑھیں تو آپ کو علم ہو کہ آزادی کے لیے مسلمانوں، سکھوں اور ہندوؤں نے کیا کیا قربانیاں دیں۔لیکن اب اس آزادی کے بعد غلامی کا دور یاد آتا ہے کہ کم سے کم اس دور میں جتنا انصاف تھا، وہ آج کے ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے انصاف سے بڑھ کر ہی تھا۔معاشی ترقی بھی اس دور میں زیادہ تھی اور نظم و ضبط بھی آج سے پہلے، اس غلامی کے معاشرے میں زیادہ پایا جاتا تھا۔

مولانا برکت اللہ بھوپالی 1927ء میں بھی یہاں آئے تھے۔اس سفر کے لیے انہوں نے جرمن فارن آفس سے 1000 مارک لے کر راجہ مہندر پرتاپ ــــــ جو کہ اس وقت عالمی سطح کے ہندوستانی لیڈر تھے ــــــ کو دیئے تھے۔ اور پھر ڈیٹرائٹ (DETROIT) بھی تشریف لائے تھے۔ شکاگو بھی گئے تھے۔پھر وہ آخر پر کیلی فورنیا چلے گئے تھے۔''غدر'' کے دفتر سے

انہیں بہت محبت تھی۔اس دفتر سے ہزاروں آدمیوں کو آزادی کی جدوجہد کے لیے آمادہ کیا گیا تھا۔ دفتر پہنچے تو شوگر کی وجہ سے بہت بیمار تھے۔ ہندو، مسلمان اور سکھ سب ہندوستانی جمع ہوئے۔ پرتپاک استقبال ہوا۔مولانا یہ سب کچھ دیکھ کر رو پڑے اور لوگوں پر بھی ان آنسوؤں کا بہت اثر ہوا۔فضا سوگوار ہوگئی اور پھر مولانا برکت اللہ صاحب نے تقریر کی۔مولانا کی شوگر بہت بڑھ گئی اور پھر ستمبر 1927ء میں یہیں سیکرامنٹو ہی میں ان کا انتقال ہوگیا تھا۔ میٹروویل میں ان کی قبر بنی تھی۔آپ لوگ تلاش کریں تو مل ہی جائے گی۔ وہاں جانا چاہیے، فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ہم ہندوستانی ہوں یا پاکستانی، مولانا برکت اللہ بھوپالی نے آزادی کے لیے جدوجہد کی تھی۔ان کا ہم سب پر احسان ہے۔رحمہ اللہ و طاب ثراہ.





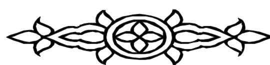
مولوی ذکاءاللہ مرحوم نے ہندوستان کی ایک بہت ضخیم

تاریخ لکھی ہے۔ ریاضی اور سائنس کی کتابیں بھی سر سید احمد خان کی فرمائش پر لکھی تھیں اور یہ سر سید مرحوم کے دست راست تھے۔ اینڈ ریوز دہلی میں بہت باوجاہت انگریز افسر تھے انہوں نے مولوی ذکاءاللہ صاحب مرحوم پر ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام تھا ''ذکاءاللہ آف دہلی'' اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو کر، چھپ بھی گیا تھا لیکن اب نہ اصل کتاب ملتی ہے اور نہ اس کا ترجمہ۔ پڑھنے کی حسرت ہی ہے۔

مولوی ذکاءاللہ مرحوم کی زندگی میں جو امور قابل تقلید تھے ان میں سے ایک کام ضبط اوقات بھی تھا۔ وقت کی پابندی مولوی صاحب مرحوم کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ یہ اور سر سید احمد خان صاحب کے صاحبزادے سید حامد گہرے دوست تھے۔ مولوی صاحب جس مکان میں رہتے تھے، اس میں ایک مرتبہ مرمت کی ضرورت پیش آئی تو اس مکان میں دن بھر تو مستری اور مزدور کام کرتے تھے اور رات کو مولوی صاحب شب بسری کے لیے تشریف لاتے تھے۔ پھر صبح ہوتے ہی وہ اپنے دوسرے مکان پر

ناشتے کے لیے تشریف لے جاتے اور بقیہ وقت وہیں گذارتے۔ ایک مرتبہ جو صبح اپنے گھر سے نکلے اور دوسرے گھر جا رہے تھے تو عجیب منظر یہ دیکھا کہ سید حامد ہاتھ میں دستی گھڑی لیے، کھڑے ہیں۔ مولوی صاحب ان کی یہ ہیئت دیکھ کر ہنس پڑے اور پوچھا ''سید حامد خیریت ہے، کیا کر رہے ہو'' وہ بولے ''کہ رات گھڑی کو چابی نہ دینے کی وجہ سے یہ بند ہوگئی اور وقت کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ چونکہ آپ کی چہل قدمی کا وقت معلوم تھا اس لیے آپ سے گھڑی کا وقت ملانے کھڑا ہوں''۔ مولوی ذکاءاللہ مرحوم ہنس پڑے اور فرمایا ''اچھا تو آپ مجھے گھڑی کے طور پر استعمال کر رہے ہیں''۔ دونوں دوست کھلکھلا کے ہنس دیئے اور دونوں چل پڑے۔

مولوی صاحب کی ''تاریخ ہند'' اپنے ہاں کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔



فرمایا علامہ شبلی نعمانی کا انتقال نومبر سن ۱۹۱۴ء میں ہوا اور علامہ الطاف حسین حالی مرحوم کا انتقال دسمبر سن ۱۹۱۴ء میں ہوا۔ ان

دونوں مرحومین کے انتقال پر گویا ایک صدی پورا ہوا ہی چاہتی ہے۔علامہ شبلی نعمانی نے ۱۹۰۹ء میں دہلی، خواجہ حسن نظامی مرحوم کو خط لکھا کہ کام کی زیادتی نے تھکا دیا ہے اور جی چاہتا ہے کہ ایسی جگہ جا کر رہوں جہاں پر کامل سکون ملے۔خواجہ صاحب نے لکھا کہ دہلی میرے پاس آجایئے اور رہیے۔مکمل سکون ہوگا۔ چنانچہ علامہ شبلی مرحوم چلے گئے۔اور ایک مہینہ تک نواب بڈھن کی محل سرائے واقع چتلی قبر میں ٹھہرائے گئے۔خواجہ حسن نظامی مرحوم نے ایک مہینہ تک کسی کو وہاں پھڑکنے نہیں دیا۔

اسی ایک مہینے میں جناب خواجہ حسن نظامی مرحوم کی اہلیہ اور ایک بیٹے کا انتقال ہوگیا۔خواجہ صاحب مرحوم ان حوادث کا زیادہ اثر تو لیتے نہیں تھے اس لیے اپنے کاموں میں مصروف رہے اور جنازے بھی پڑھ دیئے۔

علامہ شبلی مرحوم یہ سب کچھ دیکھتے، سنتے رہے۔پھر فرمایا

”خواجہ صاحب جب میری بیوی کا انتقال ہوا تھا، تو میں تو اس کی جدائی میں پاگل ہی ہوگیا تھا، لیکن آپ ہیں کہ

برابر اپنے کاموں میں مصروف ہیں، گویا کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ ارے بھئی آپ تو بہت مضبوط طبیعت کے انسان ہیں۔''

پورا مہینہ علامہ شبلی مرحوم نے، خواجہ حسن نظامی مرحوم کی پرزور سفارش پر، صرف ایک شخص کی دعوت قبول کی اور وہ تھے لالہ چندو لال چاول والے۔ لالہ جی بہت باذوق آدمی تھے اواس زمانے میں دہلی سے ایک رسالہ ''زبان'' نکالا کرتے تھے۔انہوں نے دعوت میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ طرح طرح کے سالن اور چاول پکوائے اور علامہ شبلی نعمانی جب زردہ کھانے لگے تو لالہ جی نے ایک نوکر سے کہا ''ذرا گرم زردہ لانا''۔ دعوت ختم ہوئی اور علامہ شبلی مرحوم نے خواجہ حسن نظامی مرحوم سے لالہ چندو لال کی وضعداری اور مہمان نوازی کی از حد تعریف کی اور پھر فرمایا ''مجھے اس بات کا تعجب ہے کہ دہلی والے ہوکر لالہ جی نے ''گرم زردہ'' کے الفاظ کیوں استعمال کیے؟ گرم کا لفظ تو بریانی کے لیے بولا جاتا ہے''۔

فرمایا یہاں بہت سے لوگوں سے یہ سنا کہ قرآن کریم کا پہلا انگلش ترجمہ جناب محمد مارما ڈیوک پکتھال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔ یہ اطلاع قلت علم کا نتیجہ ہے۔ ان سے پہلے پامر (palmer) راڈویل (Rodwell) اور جارج سیل (George Sale) وغیرہ کے ترجمے شائع ہو چکے تھے۔ پکتھال بنیادی طور پر انگلش زبان کے عالمی شہرت یافتہ ادیب تھے۔ ترکی میں ۱۹۰۸ء میں جو انقلاب آیا تھا۔ انھوں میں اس پر ایک کتاب (The early hours) لکھی تھی۔ ایک اور کتاب، جس پر انھیں فخر تھا اور اس میں اسلام کے خلاف بہت کچھ مواد تھا اور وہ انھوں نے اپنے زمانۂ کفر میں لکھی تھی (Saeed the fisherman) تھی۔ پڑھنے لکھنے کے رسیا تھے اور ان کی اس عادت اور زور مطالعہ نے انھیں اسلام سے روشناس کرایا تھا اور پھر وہ نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ حضرت نظام حیدرآباد کی سرپرستی اور مالی تعاون سے وہ جامعۃ الازہر مصر گئے اور دو سال کی شبانہ روز محنت سے قرآن کریم کا ترجمہ بھی مکمل کیا۔ انہوں نے لندن میں اپنے قبول اسلام کا جب اعلان کیا تو اس کا

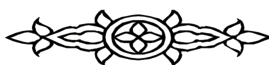
بہت اچھا اثر یورپ پر پڑا۔ علمی حلقوں کے بہت پڑھے لکھے انگریز کہنے لگے کہ جس مذہب کو پکتھال جیسا آدمی قبول کر رہا ہے تو اس میں ضرور کوئی نہ کوئی خوبیاں تو ہوں گی جنہوں نے پکتھال کو متاثر کیا ہے۔ ان کی بہت خواہش تھی کہ ان کی قبر سپین میں بنے لیکن مٹی لندن کی تھی 1936ء میں وہیں ان کا انتقال ہوا۔

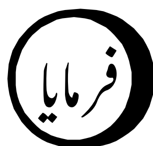


فرمایا حکیم عبدالوہاب انصاری جنھیں عام طور پر حکیم نابینا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اپنے دور کے طبیب حاذق تھے۔ مہاراج سرکشن پرشاد کے ہاں خواتین اور بچے بیمار ہو گئے تو مہاراجہ نے انھیں اپنے محل میں آنے کی دعوت دی۔ یہ تشریف لے گئے تو سب سے پہلے بچے ملاحظہ کے لیے پیش کیے گئے۔ یہ نابینا تھے، ہر بچے کی نبض پر ہاتھ رکھ کر بیماری تشخیص کر کے دوا لکھواتے رہے۔ اب عورتوں کی باری آئی تو مہارانی صاحبہ کو آنے میں دیر ہوئی، تو جلدی سے مہاراج سرکشن پرشاد کرسی پر بیٹھے اور اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔ حکیم صاحب نے خاموشی سے نبض

پر ہاتھ رکھا اور پھر اٹھا لیا۔ مسکرا کر فرمانے لگے یہ نبض تو مہاراج کی ہے۔ مہاراج حیران بھی ہوئے اور پریشان بھی۔ فرمانے لگے میں نے زندگی میں ایسا باکمال طبیب نہیں دیکھا۔ یہ سب حیدر آباد دکن کا قصہ ہے۔ ریاست میں ایسے ایسے باکمال لوگ تھے۔ حکیم نابینا مرحوم نے علامہ اقبال کا علاج بھی کیا تھا۔ وہ جب شفایاب ہوئے تو حضرت حکیم نابینا صاحب مرحوم سے اتنے خوش تھے کہ ان کی شان میں ایک رباعی کہی جس میں ان کی اور انہوں نے جو دوا لاہور بھجوائی تھی ''روح الذہب'' دونوں کی تعریف کی۔

ہے دو روحوں کا نشیمن پیکر خاکی میرا
رکھتا ہے بے تاب دونوں کو مراذوق طلب
ایک جو اللہ نے بخشی مجھے صبح ازل
دوسری ہے آپ کی بخشی ہوئی روح الذہب





گاندھی جی یقیناً ہندوستان اور عالمی سطح کے بہت بلند پایہ

رہنما تھے لیکن جدوجہد آزادی میں ان کا ساتھ صرف ہندوؤں نے ہی نہیں مسلمانوں نے بھی بہت دیا تھا۔مسلمانوں نے ان کے لیے بہت قربانیاں بھی دیں اوران کی تمام تحریکیں ـــ جوانگریزوں کےخلاف اٹھیں ـــ مسلمانوں ہی کےتعاون سے، اپنے انجام کو پہنچیں۔ ایک مرتبہ آل انڈیا نیشنل کانگریس کے لیے کچھ رقم درکارتھی تو ایک میمن متمول تاجر جناب عمر سوبانی نے اکیلے انھیں صرف بمبئ ہی سے ۳۷ لاکھ جمع کر کے دیئے تھے اور گاندھی جی کا ٹارگٹ ایک کروڑ روپے کا تھا۔

عمر سوبانی، یوسف سوبانی کے بیٹے تھے اور میمن برادری کے نہایت متمول تجار میں شمار کیے جاتے تھے۔مشہور زمانہ مصوّروں کی ہاتھ سے بنائی ہوئی تصاویرخریدنے کے بہت شوقین تھے۔منہ مانگی قیمت دے کرتصویرخریدتے تھے۔ وسیع المشرب طبیعت تھی۔۱۹۱۵ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کو مدد کی ضرورت تھی تو مسٹر جناح کی مدد کی اور جب گاندھی جی نے ایک موقع پر امداد کی درخواست کی تو عمر سوبانی نے چیک بک

کھول کر رکھ دی اور کہا ''گاندھی جی چیک بھر دیجئے'' گاندھی جی نے قلم اٹھایا اور ایک لاکھ کا چیک بھر دیا یہ دیکھ کر عمر سوبانی بہت ہنسے اور فرمانے لگے ''میں بہت سستا چھوٹا'' گاندھی جی نے فرمایا ''بس یہ رقم کافی ہے''۔ یہ واقعہ 1926ء سے بھی پہلے کا ہے کیونکہ عمر سوبانی 6 جولائی 1926ء کو رحلت فرما گئے تھے۔

ایسے کتنے ہی واقعات ملیں گے جن سے علم ہوگا کہ تحریک آزادی میں مسلمانوں کی قربانیاں بھی کسی سے کم نہیں۔



فرمایا حضرت خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم نے ۸ھ میں اکھٹے ہی اسلام قبول کیا تھا۔ پھر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو غزوۂ ذات السلاسل میں امیر مقرر فرمایا تھا اور پھر اس لشکر کی روانگی کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہی کی ماتحتی میں حضرت ابو بکر، عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم کو بھی بھیج دیا گیا تھا۔ پھر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ''عمان'' کا گورنر بنا دیا تھا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں عمان سے واپس بلا کر شام کا

امیر مقرر فرما دیا تھا۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی تبدیلی شام سے فلسطین کر دی۔ مصر کی فتح کا موقع آیا تو امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کی قیادت انھیں دے دی اور جب مصر فتح ہو گیا تو آپ نے انھیں مصر کا گورنر مقرر کر دیا اور پھر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد تک بھی یہ اپنے عہدے پر قائم رہے ہیں۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں مصر پر حاکم بنا دیا تھا یہاں تک کہ ۴۳ھ میں یہ اسی عہدے پر فائز تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا رضی اللہ عنہ



فرمایا یزید کے فسق و فجور میں کوئی شبہ ہونا تو درکنار اس کی تو تکفیر پر بحث ہے۔ احناف میں علماء سمرقند و بخاریٰ کا بھی اختلاف ہے۔ ایک گروہ اس کے کفر کا قائل ہے اور دوسرا اس کے فسق کا۔ اس کے دور میں جو صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم اس کی حکومت میں مزاحم ہو سکتے تھے، تین تھے ایک تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کی شفقت، حمایت اور ہمدردی تو سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھی لیکن وہ ہمیشہ اپنے آپ کو اختلافی امور سے الگ رکھ

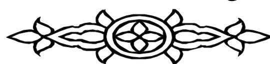
کے اللہ تعالیٰ کی عبادت، اجتماعی فلاح اور فکر آخرت میں رہے۔

دوسرے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے اور وہ یزید کی فوج تو کیا، حجاج بن یوسف اور اس کے دستوں کے ساتھ بھی نبرد آزما رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں رتبہ شہادت پر فائز فرمایا۔

اور تیسرے یہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما تھے جنھوں نے آخری دم تک اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ یزیدیوں کو یہ لاج بھی لاحق نہ ہوئی کہ وہ بیٹا کس کا تھا؟ حضرت صاحبزادی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے کس محنت ومشقت سے اپنے لاڈلے کو پالا تھا اور پھر نواسہ ان کا تھا، جنھوں نے فرمایا تھا حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ صلوات اللّٰہ و سلامہ علیھم اجمعین.

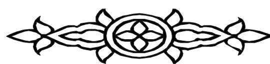
متفرقات

فرمایا بیسویں صدی کی سب سے بڑی دریافت اور اس کا تحفہ ’’بھوک‘‘ ہے۔ پیٹ کی بھوک، سر چھپانے کی بھوک، مہینوں کی مسافت اور عمر بھر کے تجربات کو منٹوں اور بعجلت حل کرنے کی بھوک، جنس کی بھوک اور ان سب کے نتیجے میں تمام اخلاقی اقدار پامال ہو کر رہ گئیں۔



فرمایا بیسویں صدی کے استعماری راج نے دنیا کو جہنم کدہ بنا دیا۔ ایسے دکھ دیے اور ان مظالم کی طرح ڈالی، جو اب رہتی دنیا تک ختم نہ ہوگی۔ سیدنا مسیح علیہ السلام کے دور مسعود کا انتظار و استثناء ہے وگرنہ تو اب ہر صدی کی اپنی قیامت برپا ہونے کو ہے۔ بیسویں صدی میں ہی دو عظیم جنگیں لڑی گئیں۔ شمالی افریقہ کے تمام ممالک ان کے مظالم کا شکار ہوئے۔ اٹلی نے لیبیا پر حملہ کیا۔ برطانیہ نے ہندوستان تو ایک طرف مصر کو اپنے قابو میں لے لیا اور ترکوں کو روک دیا کہ وہ طرابلس کے

مظلوم مسلمانوں کی مدد کر سکیں، روس نے برطانیہ کے ساتھ مل کر سازش بنالی کہ ایران اور افغانستان کو تقسیم کر دیا جائے۔ برطانیہ اس تقسیم اور لڑائی پر خوش تھا کہ اسے جنوبی ایران میں تیل کے چشموں پر قبضہ مل جائے گا اور اس کے عوض روس ایران کے شمالی حصوں پر قبضہ کر لے تو برطانیہ مداخلت نہیں کرے گا۔ روس نے ایران کو خون میں نہلا دیا۔ برطانیہ نے یونان کو بھی شہ دی کہ خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے کر دو لیکن اللہ تعالیٰ ہی نے حفاظت فرمائی۔



فرمایا جس شخص نے بھی مسئلہ امامت، حضرت رسالت پناہ ﷺ کی وراثت، مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے فضائل، باغ فدک اور حضرات حسنین کریمین اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے تعلقات پر اہل السنۃ اور دیگر گمراہ فرقوں کے عقائد، کو پڑھنا یا سمجھنا ہو، اسے چاہیے کہ امام باقلانی رحمہ اللہ کی کتاب ’’مناقب الائمۃ الاربعۃ‘‘ کا ضرور مطالعہ کرے۔ یہ کتاب بظاہر

اپنے نام سے تو یوں لگتی ہے جیسے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک ، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے مناقب میں ہوگی لیکن درحقیقت یہ چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مناقب میں ہے۔ اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ لوگ اس کتاب کو پڑھے بغیر ان نازک مسائل پر گفتگو شروع کر دیتے ہیں اور بہت گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ کتاب اگرچہ نایاب ہے لیکن اپنے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔